# خواجہ رشید الدّین فضل اللہ ہمدانی

## اسلامی علوم و فنون کی سرپرستی کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد ریاض

خواجہ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی (متوفّٰی ۷۱۸ ہجری - ۱۳۱۸ عیسوی) کی کئی حیثیتیں ہیں۔ وہ ایک حاذق طبیب، ایک بیدار مغز اور روشن ضمیر مورّخ، ایک لائق وزیر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی علوم و فنون کے زبردست سرپرست تھے۔ مگر ان کے کارنامے ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں، اس مختصر مقالے میں ہم ان کی علم پروری کا ایک خاکہ پیش کریں گے۔

"رشید الدین الطبیب" (فضل اللہ بن عماد الدین ابوالخیر بن علی) جنہیں آئندہ ہم "خواجہ" لکھیں گے۔ یہودی الاصل تھے۔ ان کے والد نے بڑھاپے میں اور خود خواجہ نے تیس سال کی عمر میں دینِ اسلام قبول کیا۔ اس وقت تک انہوں نے اپنے زمانے کے متداول علوم و فنون میں تبحّر حاصل کر لیا تھا۔ "طب" میں تو وہ تخصّص سے بہرہ مند تھے۔ وزارت کا عہدۂ جلیلہ سنبھالنے کے بعد بھی وہ "طبیب" ہی کہلواتے تھے۔ انہیں اس پیشے سے طبعی مناسبت تھی۔ ان کے اکثر خطوط میں مرقوم ہے "الطبیب الوزیر"

خواجہ سلطان ابا قا خان مغولی ایلخانی کے دربار میں مدتوں طبیب رہے۔ سلطان غازان خان بن ارغون مغولی نے انہیں طبیب کے علاوہ مشیر خاص بھی مقرر کر رکھا تھا۔ غازان خان ایک فاضل شخص تھا اور خواجہ سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا کرتا۔ آخر ۶۹۴ ہجری میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ پہلا مسلمان منگولی یا ایلخانی سلطان تھا۔ اس نے لفظ "محمود" کو اپنے نام کا جزو بنایا۔ سلطان محمود غازان خاں (متوفّٰی ۷۰۳ ہجری) نے ہی (۶۹۹ ہجری میں) خواجہ کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ اگرچہ ابا قا خاں بھی ان کا قدر داں تھا، مگر سلطان محمود غازان نے خواجہ کے مادّی و معنوی مراتب میں اضافہ فرمایا۔ خواجہ، سلطان محمد خدا بندہ اولجائتو (۷۰۳ - ۷۱۶ ہجری) کے عہد

میں بھی مقتدر اور سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ سلطان ابوسعید خان (۷۱۶-۷۳۶ ہجری) کے عہد میں اقتدار کے طالبوں نے خواجہ پر طرح طرح کے اتہامات لگائے مگر سلطان کو محققاً کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جس کی بنا پر وہ خواجہ سے باز پرس کر سکتا۔ اس پر مخالفوں نے ۷۱۸ ہجری میں اس سراپا خیر شخص پر خنجر کا وار کیا جس سے خواجہ جانبر نہ ہو سکے۔ جلال الدین محمد عتیقی نے ان کی تاریخ وفات میں فرمایا تھا ؎

رشید ملک و دین چوں رحیل کرد بعقبیٰ　　نوشت منشی تاریخ او کہ "طاب ثراہ"

اور جیسا کہ بیان ہوگا، خواجہ نظام الملک طوسی (ابو علی حسن بن علی بن اسحاق مقتول ۴۸۵ ہجری) کے بعد ایران و عرب کو ایسا لائق وزیر غالباً نصیب نہیں ہوا۔ خواجہ کا مزار سلطانیہ نزد تبریز میں ہے

## آثار و کتب

خواجہ خود عالم اور علماء و فضلاء کے قدر دان تھے۔ ان کی متعدد تالیفات میں "جامع التواریخ رشیدی" (سن تالیف ۷۱۰ ہجری) بہت معروف اور مستند کتاب ہے۔ اس کتاب کی بنا پر خواجہ کو پہلا "عالمی مورخ" مانا جاتا ہے۔ مانچسٹر یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جان اینڈریو بایل[1] نے اس سلسلے میں ۲۹ اپریل ۱۹۶۹ء کو کراچی میں ایک مبسوط مقالہ بھی پڑھا تھا۔ پروفیسر بارتھولڈ[2] نے بھی وثوق سے لکھا ہے کہ قرون وسطیٰ تک کم از کم ایسی کوئی کتاب ایشیا یا یورپ میں نہیں لکھی گئی جس میں عالمی تاریخ کے بارے میں اس قدر متنوع اور ہمہ گیر معلومات فراہم کی گئی ہوں۔ یہ کتاب تین اور بقول بعض چار جلدوں پر مشتمل تھی۔

پہلی جلد کی دو فصلیں ہیں جن میں مغلوں (منگولیوں) کی مفصل تاریخ لکھی گئی ہے (اسے تاریخ غازانی بھی کہتے ہیں)، دوسری جلد تاریخ عالم اور بین الاقوامی اہمیت کی حامل ہے۔ بعض جغرافیائی معلومات

---

1. JOHN ANDREW BOYLE.
2. TURKISTAN DOWN TO THE MANGOL INVASION
3. ASPECTS OF ALTAIC CIVILISATION P.46. EDITED BY DENIS SINOR, P. 200.

ناکافی ہیں مگر خود تاریخی اطلاعات حیرت انگیز ہیں۔ مولف نے اپنے ماخذ و مراجع کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس جلد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کو مفصل تر لکھا گیا ہے۔ تیسری جلد کا معتد بہ حصہ ضائع ہو گیا اور جو بچا وہ صور اقالیم اور جغرافیائی بحثوں پر حاوی ہے۔ چوتھی جلد کا غالباً واحد مخطوطہ استنبول کے 'سرائے' نامی کتب خانے میں موجود ہے۔ اس جلد کا نام "شعب پنجگانہ" ہے اور اس میں دنیا کے اکثر حکمراں خاندانوں کا شجرۂ نسب اور مدتِ حکومت درج ہے۔ یہ کتاب ابھی تمامًا نہیں چھپی۔ صرف پہلی جلد اجزا[۴] کی صورت میں چھپ چکی ہے، دوسری، تیسری اور چوتھی جلدیں تہران میں زیر طباعت ہیں۔ پہلی جلد بھی یکجا چھپنے والی ہے۔

"جامع التواریخ رشیدی" مکمل صورت میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ایسی کتاب کا لکھنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اور اسی لئے خواجہ نے دوسرے علماء و فضلاء سے اس سلسلہ میں مدد لی ہے۔ طرزِ تحریر سے بھی واضح ہے کہ اس کتاب کا ایک مصنف نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں "تاریخ اولجائتو[۵]" کے مصنف ابوالقاسم کاشانی کا بیان دلچسپ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "جامع التواریخ رشیدی" کا بیشتر حصہ اس نے لکھا ہے اور یہ کہ خواجہ نے اسے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا مگر اس سے کسی قدر پھر گیا۔" اس بات کی کسی اور نے تائید نہیں کی۔ ممکن ہے کہ جامع التواریخ رشیدی کا کچھ حصہ اس نے لکھا ہو۔ مگر تاریخ اولجائتو جیسی درجہ دوم کتاب کا مصنف 'جامع التواریخ رشیدی' کے معتد بہ حصے کا مؤلف کیسے ہو سکتا ہے؟

خواجہ کے مکتوبات کی ایک جلد کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے ۱۹۴۰ء میں "منشاتِ رشیدی" کے نام سے لاہور سے شائع کیا تھا۔ خواجہ کی ایک دوسری کتاب "الاحیاء والآثار[۶]" کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا اور باقیماندہ ۱۹۵۵ء میں تہران سے شائع ہو گیا ہے۔ ان کی تین تالیفات مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں: مفتاح التفاسیر، الرسالۃ السلطانیہ اور السوالیہ والجوابیہ۔ پہلی کتاب قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ دوسری مغلوں کے کارناموں اور تیسری شاہی مکتوبات پر مشتمل ہے (عربی)[۷]

---

۴ مغلوں کی اصل، چنگیز خان، احفاد چنگیز اور بعد کے منگولوں پر جداگانہ ابواب ہیں ۵ مخطوط: کتب خانہ مرکزی، تہران یونیورسٹی نمبر ۲۴۱ تا ۲۴۳ ۶ اس کتاب میں فن معماری، زراعت اور علم الحیوانات سے بحث ہے۔
۷ التوضیحات فی مبحث التصوف اور مطائف الحقائق، مسائل الاحکام خواجہ کی عربی کتب کے نام ہیں جو راقم الحروف کو ابھی مل نہیں سکیں۔

## خواجہ کی علم پروری اور علماء سے رابطہ

خواجہ کو علماء سے بڑا تعلق تھا۔ اسے ان کی دوستی پر فخر تھا۔ اپنے ہمکاروں میں خواجہ کے گہرے مراسم صرف ایک وزیر خواجہ تاج الدین علی شاہ (م ۷۲۳ ہجری) کے ساتھ تھے اور وہ بھی اس کی علم دوستی کی بنا پر اس کے مقابلے میں جو خطوط علماء کے نام خواجہ کے منشآت میں ملتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بایں ہمہ اقتدار وہ علماء کے کس قدر احترام گزار تھے۔ اس سلسلے میں شیخ نجم الدین ابوبکر زرکوب تبریزی (م ۱۲ ہجری) اور خواجہ صدرالدین ترکہ اصفہانی کے نام خواجہ کے خطوط قابلِ ملاحظہ ہیں۔ ترکہ اصفہانی نے اپنی معروف کتاب "کنوز الاشباح فی معرفۃ الارواح" کو خواجہ کے نام معنون کیا اور اس کی ایک جلد پیش کی۔ خواجہ نے مؤلف کو ازراہِ قدردانی بیس ہزار اشرفیاں، ایک گھوڑا مع زین، چند پوستینی لباس، قیمتی جواہرات نیز غلّے کے پانچسو خروار بھجوائے اور لکھا: اگرچہ میں کماحقہٗ آپ کی قدردانی نہیں کرسکا، مگر آپ بددل نہ ہوں اور اپنے علمی کاموں کو جاری رکھیں[۵۸]۔ اس ایک مثال سے خواجہ کی فیاضی، دریادلی اور علم دوستی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

## درسگاہیں اور اوقاف

خواجہ بڑی جاگیروں اور اوقاف کے مالک تھے۔ سلطان اباقاخان نے خواجہ کو تین مقامات پر جاگیریں دے رکھی تھیں۔ آذربائیجان میں مختلف پھلوں خاص کر انگور کے بہت سے باغات، اناطولیہ کی زرخیز زمین کے متعدد قطعات اور عراق کے جنوبی حصّے میں کھجور کے کئی باغات۔ مگر وہ ان سے علمی و دینی کام لیتے یا ضرورت مندوں کی خدمت کرتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اپنی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ بھی رفاہی کاموں میں صرف کردیتے تھے۔ اسلام آدمی میں یہی انقلاب لاتا ہے کہ وہ اپنی شخصی مِلک کو امانت الٰہی سمجھ کر اللہ کے بتائے ہوئے مصارف میں استعمال کرتا ہے ؎

بندۂ مومن امین، حق مالک است (اقبالؒ)

سلطان محمود غازاں خان نے بڑے ذوق و شوق سے اسلام قبول کیا تھا۔ خواجہ اس کے جوشِ ایمانی کو ابھارنے میں لگے رہتے اور علمی و ادبی سرپرستی کے مشورے دیتے۔ سلطان غازاں نے

---

۵۸ روضات الجنات وجنات الجنان مؤلفہ حافظ الکربلائی جلد ۱ مطبوعہ تہران صفحہ ۵۱۱ - ۵۱۲

تبریز میں "شام غازان" یا شنب غازان کے نام سے ایک قطعہ زمین منتخب کیا اور اپنا مزار وہاں بنانے کی وصیت کی۔ خواجہ نے مشورہ دیا کہ اس مقام کے اردگرد "اوقاف" کے طور پر کچھ عمارتیں بنائی جائیں۔ سلطان نے اس بات کو پسند کیا۔ وہاں ایک دارالکتب، ایک دارالقانون اور ایک رصد خانہ قائم کیا گیا خواجہ ان اوقاف کے ناظم اعلےٰ تھے۔ انہوں نے دو مدارس قائم کئے، ایک میں فقہ حنفی اور دوسرے میں فقہ شافعی کی تدریس ہوتی تھی، یہاں پر متعدد مسجدیں بھی بنائی گئیں۔

شہر تبریز کے نواح میں سلطان خدابندہ نے ایک شہر سلطانیہ کے نام سے آباد کیا تھا۔ خواجہ نے مشورہ دیا کہ یہاں ایران و عرب کے علماء کو جمع کیا جائے۔ ان علماء کے مشوروں کی روشنی میں دین و دنیا کے امور حل کئے جائیں۔ یہ مجلس برپا ہوئی اور اس میں چار سو علماء نے شرکت کی۔ مشہور عارف امیر سید علی ہمدانیؒ (م ۷۸۶ھ) کے والد سید شہاب الدین، حاکم ہمدان نے بھی[۹] اس مجلس میں شرکت کی تھی۔

سلطان خدابندہ نے شہر سلطانیہ کے اردگرد اوقاف کا جال بچھا دیا۔ جن کی سالانہ آمدنی دس لاکھ اشرفی تھی۔ خواجہ نے اس آمدنی کو بڑی احتیاط اور دیانتداری سے خرچ کروایا۔ اسی آمدنی سے وہاں ایک اعلےٰ درس گاہ قائم ہوئی، علامہ شمس الدین محمد آملی (م ۷۵۳ ہجری) نے اپنی تالیف "نفائس الفنون فی عرائس العیون"[۱۰] (فارسی) میں اس درس گاہ کی بڑی تعریف کی ہے اس مؤلف نے خواجہ کے اوقاف کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے۔

## ربع رشیدی

"ربع" کاروانسرائے یا مہمان خانے کو کہتے ہیں۔ "ربع رشیدی" خواجہ کے ذاتی اوقاف کو کہا جاتا ہے یہ مقام شہر تبریز اور مذکورہ سلطانیہ کے نزدیک تھا اور اس کے کھنڈرات اب تک باقی ہیں۔ "ربع رشیدی" نامی اس محلے کا قیام، خواجہ کے بڑے کارناموں میں سے ایک ہے۔ اس کی تعمیر پر ساٹھ ہزار دینار خرچ ہوئے تھے "نفائس الفنون ..." کے مطابق یہاں کی درس گاہ میں دس استاد، بیس معید اور سو "تحقیق آموز" طالب علم تھے۔ باطنی تربیت کی خاطر ایک خانقاہ تھی جس میں چار صوفی، بیس سالکوں کو تربیت دیتے تھے

---

[۹] خلاصۃ المناقب مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۲ [۱۰] مطبوعہ تہران صفحہ ۲۹۵ - ۲۹۶

یہ صوفی۔ "استاد" کے مرتبے پر محسوب کئے تھے۔ مساجد کی خاطر آٹھ قرآن مجید کے حافظ اور اتنے ہی موذن مستقل طور پر "ربع" میں رہتے تھے۔ ان تمام افراد کی آسائش کے لئے بڑی عمدہ "قیام گاہ" موجود تھی خورد و نوش کا لوگوں کا اپنا انتظام تھا، استاد کو پندرہ سو دینار ماہانہ اور معید کو اس سے نصف تنخواہ ملتی تھی (معلم خانقاہ بھی استاد کے مساوی مانا جاتا تھا) باقی افراد کو ایک سو بیس دینار ماہانہ کا وظیفہ ملتا تھا۔ اس زمانے کی ارزانی کے پیش نظر، یہ سب لوگ مرفہ الحال اور فکرِ معاش سے بے نیاز تھے۔

"ربع رشیدی" کا وقف نامہ خواجہ نے مرتب کیا تھا اور یہ ان کے ورثا کے پاس اب تک محفوظ ہے اس دستاویز کی رو سے ربع رشیدی کے کتب خانے میں ساٹھ ہزار کتابیں تھیں اور باقاعدہ دارالمطالعہ قائم تھا۔ یہاں چوبیس کارواں سرا، پندرہ سو دوکانیں اور تیس ہزار گھر تھے۔ وہاں ایک ٹکسال (دارالضرب) تھی رنگ سازی اور کاغذ بنانے کے کارخانے تھے۔ دو بڑی مساجد تھیں۔ کارواں سرا اس طرح بنائے گئے تھے کہ سردی یا گرمی دونوں صورتوں میں مسافروں کو سہولت حاصل ہو۔ ہسپتال، بیت الخلا اور مطبخ (یعنی روٹی پکانے کی جگہ۔ اس زمانے سے اب تک ایران اور عراق عجم میں روٹی پکی پکائی ملتی ہے اور گھروں میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا) نیز بیت الخیرات موجود تھے۔ بیت الخیرات سے بے نواؤں کی مدد کی جاتی تھی۔

ہسپتال یا دارالشفا میں دو طرح کے طبیب ہوتے تھے۔ ایک وہ تھے جو شب و روز ۸ - ۸ گھنٹے کام کرتے تھے۔ اس طرح تین شفٹوں میں چوبیس گھنٹے یہ اطبا وہاں موجود رہتے تھے کچھ ایسے طبیب بھی تھے جو چند گھنٹے کے لئے ملازم رکھے جاتے تھے۔ ان میں سے بیشتر تدریس کرتے تھے (طبی نظامِ تدریس کا ذکر آ رہا ہے) ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ خواجہ نے دوسرے ممالک سے بھی اطبا منگوائے۔ ان کی تنخواہیں ایسے ہی تھیں جیسے کہ آج کل غیر ملکیوں کو دیتے ہیں۔ یعنی تقریباً دوگنی۔ ان اطبا کو رہائش کی بھی خصوصی سہولتیں میسر تھیں۔ ایسے اطبا مصر اور یمن سے مدعو کئے گئے تھے۔ خواجہ نے دیگر فنون پر بھی خاص توجہ مبذول کر رکھی تھی مثلاً فنِ خطاطی۔ خطاطوں سے خواجہ کی دلچسپی اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ اپنی کتابوں کے مخطوطات ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلاتے تھے۔ ایک اور اہتمام یہ کرتے کہ اپنی فارسی کتابوں کو عربی میں اور عربی کتب کو فارسی میں ترجمہ کرواتے۔ دیگر فنون میں نقاشی، زرگری اور معماری ان کی خاص توجہ کا مرکز تھے اور ان تمام فنون کے ماہر ربع رشیدی میں موجود تھے۔

ربع رشیدی میں باغبانی کا خاص اہتمام تھا اور کاشت کاری کی خاطر تربیت دی جاتی تھی اس علاقے میں جو باغات تھے ان پر ۲۲۰ غلام اتنی ہی کنیزیں (ان ہی غلاموں کی بیویاں) مامورِ کار تھیں۔ باغبانی کو ترقی دینے کے لئے باقاعدہ تربیتی کورس مقرر تھے۔ زراعت کا معیار بلند کرنے کے لئے عمدہ بیج منگوانے، اسے تقسیم کروانے، سبزیاں اور بہتر میووں کی پیداوار کی کوشش جاری تھی اور آٹھویں صدی ہجری، چودھویں صدی عیسوی میں ایسی کوشش کرنا جو زرعی تحقیق سے متعلق ہو کوئی معمولی بات نہ تھی۔

علم طب اور اطباء پر خاص توجہ رکھنا خواجہ کا معمول تھا۔ طب کا تربیتی کورس پانچ سال کا تھا۔ طلباء سے نظری اور عملی امتحان لئے جاتے۔ ادویہ سازی کے لئے جڑی بوٹی کی خاطر ماہرین فن کا انتخاب کیا جاتا اور خواجہ خود اس کام کی نگرانی کرتے کہ آیا زیر تربیت طلباء جڑی بوٹیوں کے درست انتخاب اور ادویہ بنانے پر قادر ہیں یا نہیں؟ اس ضمن میں ذہین طلباء کو نقد انعامات دیئے جاتے وظائف اس پر مستزاد تھے۔ خواجہ نے دوسرے ممالک کے ساٹھ ہزار طلباء کو وظائف دے رکھے تھے اور یہ بات بھی کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ اوپر ربع رشیدی کے شفاخانوں کا ذکر ہوگیا۔ ربع رشیدی میں ہمہ وقتی متعین اطبا کو شخصی کاروبار چلانے کی اجازت نہ تھی البتہ اگر ضرورت پڑنے پر ان سے ۸ گھنٹے سے زیادہ کام لیا جائے، تو زائد معاوضہ دیا جاتا تھا۔ شفاخانوں کے دو شعبے تھے۔ ایک بے نواؤں کی خاطر جنہیں پیر اور جمعرات کو مفت دوا دی جاتی تھی۔ اسی دن ربع رشیدی میں کام کرنے والے سرکاری عملے کو بھی مفت دوا ملتی تھی۔ باقی دنوں میں عند الضرورت وہ دوسرے شعبے سے دوا لینے کے مجاز تھے۔ اس دوسرے شعبے میں علاج معالجے کی خاطر صاحبانِ استطاعت سے حق الخدمت لیا جاتا اور اسے "اثاثۂ اوقاف" میں جمع کرا دیا جاتا تھا۔

خواجہ کی دوسرے ممالک کے اطباء و علماء سے خط و کتابت تھی۔ وہ نت نئی دواؤں کے اثرات سے باخبر۔ دوسرے ممالک کے کئی حاذق اطباء کو خواجہ نے نقد انعامات اور تحائف بھیجے ہیں۔ ایسے افراد میں قرطبہ کے چھ اور تیونس نیز طرابلس کے چار چار حاذق طبیب شامل ہیں۔ جنہیں "منشآتِ رشیدی" کی رُو سے ہدایا بھیجے گئے تھے۔

## متنوّع اوقاف

خواجہ کے اوقاف ربع رشیدی تک محدود نہ تھے۔ انہوں نے اپنے مولد ہمدان اور پھر بصرہ میں بڑے بڑے اوقاف کا اعلان فرمایا۔ اوقاف کا کام مقامی اعیان و اکابر کے سپرد تھا۔ خواجہ کی تقلید میں متعدد امراء نے اپنی جائدادیں وقف کر دیں یا خواجہ کے اوقاف میں دل کھول کے رقمیں دیں۔ آنجہانی پروفیسر اے۔ جی براؤن (م۔ ۱۹۲۶ء) نے ۱۹۲۱ء میں طب العرب (طب الاسلامی) کے موضوع پر جو لکچر دیئے تھے، ان میں چوتھے لکچر میں خواجہ کی طبّ دوستی اور حذاقت کی تشہیر کی کوششوں کے بارے میں خوب روشنی ڈالی ہے [۱۱]

خواجہ قابلِ اعتماد اطبّا۔ کو اوقاف سونپ دیتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اپنی صوابدید سے کام لے کر بے نواؤں کی مدد کریں اور ایسی سہولتوں میں اضافہ کر سکیں جس سے لوگوں کے تمام حالات میں بہتری ہو۔ ایسے اطباء میں ایک معروف نام محمود بن الیاس کا ہے۔ خواجہ نے شیراز کا ایک موقوفہ ہسپتال اس دلسوز حکیم کے سپرد کر دیا۔ محمود بن الیاس نے اوقاف کے صحیح استعمال سے اس ہسپتال کو وسعت دی اور شیراز کی کافی آبادی کا یہاں پر مفت علاج ہوتا رہا۔ یزد میں ایسا ہی ایک ہسپتال ایک یزدی طبیب کے سپرد کیا گیا تھا۔

## مدرسہ ہائے سیّار

"سیار مدرسہ" کی اصطلاح خواجہ نے استعمال کی ہے۔ "تاریخ وصّاف" [۱۲] کے مطابق، سلطان خدابندہ ایسے مدارس سے خوب استفادہ کرواتا تھا۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ جب سلطان کو کہیں جانا ہوتا تو علماء کی ایک جماعت کو ساتھ رکھتا۔ ان کا انتخاب عموماً خواجہ کرتا تھا۔ جہاں پڑاؤ پڑتا، سلطان کے حکم سے مقامی علماء کو بلوایا جاتا اور ان علماء سے جو سلطان کی معیت میں ہوتے ان کا تبادلۂ فکر و نظر کروایا جاتا۔ یہ کوئی مناظرہ نہ تھا

---

[۱۱] ان تقاریر کا اردو ترجمہ، دوسری بار حکیم نیّر واسطی صاحب کے حواشی کے ساتھ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ [۱۲] مطبوعہ تہران صفحہ ۵۴۰ - ۵۴۳۔ کتاب کا نام تجزیۃ الامصار و ترجیۃ الاعصار ہے اور مؤلف شہاب الدین عبداللہ شیرازی (م ۷۱۸ھ) ہیں۔ مؤلف کے لقب "وصاف الحضرۃ" کی مناسبت سے کتاب کا نام "تاریخ وصّاف" پڑ گیا ہے۔

بلکہ علوم وفنون کی ترقی کی کوششوں کی ایک کڑی تھی۔ خواجہ نے اس کام کو "المدرسۃ السیارہ" کا نام دے رکھا تھا۔ اس کام سے بڑا فائدہ ہوا۔ علما وفضلا ایک دوسرے سے متعارف۔ اختلافات کی جگہ دوستی اور ہم آہنگی نے لی اور ایک علمی و دینی فضا پیدا ہوگئی۔ کبھی کبھی علما کے اجتماعات دارالحکومت سلطانیہ میں منعقد کروائے جاتے اور ان کی بحث وتمحیص میں سلطان مع وزرا۔ اور خواجہ کے شریک ہوتا تھا۔ اس جدت کا سہرا بھی خواجہ کے سر تھا۔ [۱۳]

## خواجہ کی اولاد کی علم دوستی

خواجہ کو خدائے لم یزل نے بڑی باسعادت اولاد عنایت فرمائی تھی۔ ان کے چودہ بیٹوں میں آٹھ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ان سعادت مندوں نے اپنے باپ کی پیروی کی اور اپنے اختیارات سے کوئی سوئے استفادہ نہیں کیا۔ تمام معاصر مورخ ان کی نکوکاری، دریادلی، فیاضی اور علوم وفنون کی سرپرستی کے بارے میں متفق ہیں۔ ان میں حاکم ایشیائے کوچک سلطان خواجہ جلال الدین، خواجہ سعد الدین، حاکم شام اور خواجہ غیاث الدین امیر دربار خاص طور پر معروف ہیں۔ خواجہ غیاث الدین نے تبریز کے نواح میں علما اور طلبا۔ کی خاطر ایک بستی بنوائی تھی جسے آج تک "غیاث" (البتہ عوامی لہجہ میں "قیاس" کہا جاتا ہے) [۱۴] "ربع رشیدی" کے کچھ فاصلے پر اس بستی کے کھنڈرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ [۱۵]

---

[۱۳] خواجہ کی دیگر جدتوں میں کتب خانے میں کام کرنے کی خاطر تربیت دلانا۔ استادوں کی تربیت، ریفریشر کورسوں کی مانند تجدید تربیت، پورے وقت یا جزوقت پر ملازموں کا تعین وغیرہ شامل ہے [۱۴] روضات الجنات۔ وجنان الجنات جلد ۱ صفحہ ۳۵۷ [۱۵] اگر نقشے پر نظر ڈالیں تو یہ مقام تبریز کے مشرق میں اور عین علی نامی سلسلہ جبال کے درمیان واقع نظر آتا ہے۔